

معلم عدالت : امیر المؤمنین امام علی ابن ابی طالب

<?xml encoding="UTF-8?">

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب [ع] کی ذات گرامی سراپا عدل ہے، یہاں تک کہ ایک مشہور قول ہے کہ **قد قتل لشدة العدل**: آپ عدل میں سخت ہونے کی وجہ سے قتل کئے گئے ہیں۔ جس کے متعلق اللہ کے پیارے رسول حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیٰ نے ارشاد فرمایا: **"اقضا کم علی۔"** (۱) تم سب سے زیادہ انصاف کرنے والا علی ہے۔ اور **"اعلمکم علی۔"** (۲) تم میں سب سے زیادہ علم والا علی [ع] ہے۔

اور **"انا دار الحکمة و علی بابها"** (۳) میں حکمت کا گھر ہوں اور علی ۔ اس کا دروازہ ہے: **"انا مدینة العلم و علی بابها من اراد العلم فالیات بالباب"**۔ (۴) میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، جو علم چاہتا ہے وہ دروازہ کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکر روایت کرتے ہیں کہ جب میں اور رسول اکرم شب ہجرت غار سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو اس وقت رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ: **"کفی و کف علی فی العدل سواء"**۔ (۵) میرا ہاتھ اور علی ۔ کا ہاتھ عدل میں برابر ہے۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کچھ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں آپ نے ان میں سے ہاتھ بھر کر مجھے عطا کیں وہ ۷۳ تھیں۔ اس کے بعد میں حضرت علی ۔ کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بھی کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور آپ نے بھی مجھے ہاتھ بھر کر کھجوریں عطا کیں میں نے گنتی کی وہ بھی ۷۳ نکلیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ **"ان یدی و ید علی ابن ابی طالب فی العدل سواء"**۔ (۶) بے شک میرا ہاتھ اور علی ابن ابی طالب کا ہاتھ عدل میں برابر ہے۔ آپ کے متعلق حضرت عمر ابن خطاب نے بارہا فرمایا: **"لو لا علی لہلک عمر"**۔ (۷) اگر علی ۔ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب ۔ فرماتے ہیں:

★ **انّ اللّٰه فرض علی الائمة العدل ان یقْدروا انفسهم بضعة النّاس کیلا یتبّیغ بالفقیر فقره۔** (۸)

اللہ نے عادل اماموں پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مفلس و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ فقیر لوگ اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائیں۔

★ **ولعلّ بالحجاز او الیمامة من لا طمع له فی القرص ولا عهد له بالشّعب ، او ابیت مبطاناً و حولی بطون غرثی و کباداً حرّی او اکون کما قال القائل :**

و حسبک داء ان تبیت ببطنة و حولک اکباد تحن الی القد۔ (۹)

حجاز و یمامہ میں شاید ایسے بھی لوگ ہوں کہ جنہیں ایک روٹی کے ملنے کی بھی آس نہ ہو ، اور انہیں پیٹ بھر کھانا کبھی نصیب نہ ہوا ہو۔ کیا میں اپنا پیٹ بھر کر سویا ربوں اس حالت میں کہ میرے گرد بھوکے اور پیاسے جگر تڑپتے ہوں ۔ کیا میں کسی شاعر کے اس شعر کا مصداق بن سکتا ہوں؟: تیری بیماری کے لیے یہی کافی ہے کہ تو پیٹ بھر کر سو جائے ، اور تیرے اطراف وہ جگر بھی ہو جو سوکھے چمڑے کو بھی ترس رہے ہوں ۔

★ **"أَقْنَعُ من نفسی بان یقال لی امیر المؤمنین ولا اشارکم فی مکاره الدّبر۔ او اکون اسوۃ لهم فی جشوبة العیش ۔ فما خُلقت لی شغلنی اکل الطیبات کا لہیمة المربوطة بمّھا علفھا ، او المرسلۃ شغلھا تقمّمھا ، تکتشر من اعلافھا و تلہو عمّا یرادُ بها۔"** (۱۰)

کیا میں اسی میں مگن رہوں کہ مجھے امیر المؤمنین کہا جاتا ہے ؟ مگر میں زمانے کی سختیوں میں مؤمنوں کا شریک نہ بنوں۔ اور زندگی کی بدمزگیوں میں ان کے لیے نمونہ نہ بنوں ۔ میں اس لیے تو پیدا نہیں ہوا ہوں کہ اچھے اچھے کھانوں کی فکر میں لگا رہوں ۔ اس بندھے ہوئے چوپایہ کی طرح جسے صرف اپنے چارے ہی کی فکر لگی رہتی ہے یا اس کھلے ہوئے جانور کی طرح کہ جس کا کام منہ مارنا ہوتا ہے ، وہ گھاس سے پیٹ بھر لیتا ہے اور جو اس سے مقصد پیش نظر ہوتا ہے اس سے غافل رہتا ہے ۔

★ وَاللّٰهُ لَانَ اَبِيْتِ عَلٰى حَسَكِ السَّعْدَانِ مَسْهَدًا اَوْ اَجَرَ فِى الْاَغْلَالِ مَصْفَدًا اَحَبُّ اِلَى مَنْ اِنَّ الْقٰى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظَالِمًا لِّبَعْضِ الْعِبَادِ وَغَاسِبًا لِّشَيْئٍ مِّنَ الْحَطَامِ وَ كَيْفَ اَظْلَمَ اَحَدًا لِّنَفْسٍ اِلَى الْبَلٰى قَفُوْلَهَا وَيَطُوْلُ فِى الثَّرَى حُلُوْلَهَا۔" (۱۱)

خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنی پڑے ، اور مجھے زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا جائے تو یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مال دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کی آسودگی کے لیے کسی پر کیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تھوں میں پڑا رہے گا۔

عدل کی حیثیت اور مقام

عدل اور انصاف کو اسلام کا سب سے بڑا مقصود سمجھا جاتا ہے ، انبیاء کرام کی بعثت اور ادیان کی آمد ، انسانی نظام حیات میں وسیع پیمانے پر اسی عدل کو قائم کرنے کے لیے عمل میں آئی ہے :-

" لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ " (۱۲)

بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں۔

بنیادی طور پر کوئی بھی قوم یا مکتب فکر، سماجی انصاف کو نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ سماجی عدل اور انصاف براہ راست قوموں اور حکومتوں کی بقا سے جڑا ہوا ہے ۔ قرآنی آیات کی تعبیر میں میزان جسے دوسرے لفظوں میں عدل کہا جاتا ہے ، ایک طرف تو کائنات اور پورے نظام ہستی پر حاکم ہے :-

"وَ السَّمَاوَاتِ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ۔" (۱۳) اور اسی نے اس آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کیا۔

اسی آیہ کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ فیض کاشانی لکھتے ہیں: 'ووضع الميزان و العدل بان وقر على كل مستعد مستحقه ووفى كل ذي حق حقه حتى انتظم امر العالم واستقام كما قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم بالعدل قامت السموات والارض۔" (۱۴)

اللہ تعالیٰ نے میزان اور عدل کو قائم کیا اس طرح کہ ہر صاحب استعداد ، جو حقدار ہے ، پر عنایت کرے اور ہر حقدار کو اس کا حق دے یہاں تک کہ امرِ عالم منتظم ہو کر سیدھا ہو جائے ۔ جیسا کہ رسول اکرم نے ارشاد فرمایا عدل ہی کی وجہ سے ساتوں آسمان اور زمین قائم ہیں۔

انہیں امیر المؤمنین ۔ نے ارشاد فرمایا : "العدل اساس به قوام العالم۔" (۱۵) عدل بنیاد ہے

اور اسی پر پوری کائنات کا سہارا ہے ۔ اور: "العدل اقوى اساس۔" (۱۶) عدل قوی ترین بنیاد ہے۔

یہ عدل کی اسلامی تعبیر ہے ، جس پر تمام کائنات کا سہارا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عدل نہ ہوتا تو

اس کائنات کا وجود بھی نہ ہوتا پس یہ کائنات اسی عدل کی وجہ سے قائم ہے۔ آسمان سے پانی برسنا اور زمین سے اناج کا پیدا ہونا یہ سب عدل ہے۔

دوسری طرف عدل انسانی حیات کے نظام پر حکمران ہونا چاہیے تاکہ وہ عدل کے دائرہ سے خارج نہ ہو " **أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ**۔ (۱۷) تاکہ تم میزان میں تجاوز نہ کرو۔ پس اسی آیہ کریمہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عدل انسانوں کی زندگی کے نظام کو افراط اور تقریط سے محفوظ کرتا ہے۔ یعنی نہ اپنے دائرہ حدود سے خارج کرتا ہے اور نہ ہی اپنی حدود سے گھٹاتا ہے۔ جب حضرت علی - سے عدل اور سخاوت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:-

" **العدل يضع الامور مواضعها و الجود يخرجها عن جهتها والعدل سائس عام والجود عارض خاص والعدل اشرفهما و افضلهما**۔" (۱۸)

عدل امور کو اپنی جگہ پر برقرار کرتا ہے ، لیکن سخاوت امور کو ان کی اپنی جہت سے خارج کر دیتی ہے ، عدل ایک عام اور وسیع سیاست گر ہے لیکن سخاوت اُسی سے مخصوص ہوتی ہے جس سے سخاوت کی جاتی ہے لہذا عدل سخاوت سے اشرف اور افضل ہے۔

اس قول کو نقل کرنے کے بعد علامہ مرتضیٰ مطہری شہید تحریر کرتے ہیں کہ:- " علی - کی نظر میں وہ اصول جو معاشرے کے توازن کو برقرار رکھتے ہیں اور جس کے ذریعے سب کو خوش رکھا جاسکتا ہے وہ عدل ہے، معاشرے کے جسم کو سلامتی اور اس کے روح کو سکون دے سکتا ہے تو وہ عدل ہے۔ ظلم وجور اور تجاوز میں اتنی طاقت نہیں کہ جو خود ظالم کی روح کو یا اس شخص کو جس کے فائدے کے لیے ظلم کیا جارہا ہے اس کو سکون دے سکے، تو کہاں ہو سکتا کہ وہ معاشرے کے مظلوم اور پامال شدہ طبقے کو مطمئن کرسکے۔ عدل وہ وسیع راستہ ہے جو سب کو شامل کئے بغیر کسی مشکل کے ان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے اور ظلم وہ تنگ اور پیچیدہ راستہ ہے جو خود ظالم کو بھی اس کی منزل مقصود تک نہیں پہنچا سکتا۔" (۱۹)

امام نے اس قول میں عدل اور سخاوت کا موازنہ کرتے ہوئے عدل کو ترجیح دیتے ہیں یہ استدلال کرتے ہوئے کہ سخاوت اگرچہ پسندیدہ اور قابل ستائش عمل ہے لیکن ہر جگہ یہ سخاوت مؤثر نہیں ہوتی اور نہ ہمیشہ بخشش کی صفت سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخشش اور سخاوت معاشرے میں نظامِ عدل کے درہم برہم ہونے کا سبب بنتی ہے ۔ بعض افراد کے حق میں سخاوت سے کام لینا بعض افراد کا حق غصب ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن عدل ایسا نہیں ہے ۔ اگر ہر انسان کو اس کا واقعی اور حقیقی حق دیدیا جائے تو کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے۔ لہذا عدل سیاست میں، معاشرہ میں ، حکم اور قانون میں ، فیصلہ میں ، حقوق مالی اور سزا وغیرہ کے مسائل میں ایک ایسا عمومی محور ہے، جس کے پرتو میں سب امان محسوس کرتے ہیں اور اپنے حقوق ضائع ہونے سے متعلق وحشت اور اضطراب کا احساس نہیں کرتے ۔

حضرت علی - ایک اور مقام پر قرآن کی آیہ: " **اِنَّ اللّٰهَ يامرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ**" کی تشریح کرتے ہیں: "**العدل الانصاف** والاحسان التفضل۔" (۲۰) عدل کا مطلب انصاف ہے اور احسان کا مطلب بخشش کرنا ہے۔ ایک اور مقام پر عدل کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں:-

" **اِنَّ الْعَدْلَ مِيزَانُ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ الَّذِي وَضَعَهُ فِي الْخَلْقِ وَ نَصَبَهُ لِقَامَةِ الْحَقِّ فَلَا تَخَالَفُهُ فِي مِيزَانِهِ وَلَا تَعَارِضُهُ** سلطانہ۔" (۲۱)

بیشک عدل اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ترازو ہے ، جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے وضع کیا ہے اور حق کو قائم

کرنے کے لیے اس کو نصب کیا ہے، پس اللہ سبحانہ سے اس ترازو کے بارے میں مخالفت نہ کرنا اور نہ ہی اس کی حکومت میں اس سے ٹکرانا۔

عدل زندگی ہے

اب یہاں پر عدل کے متعلق حضرت علی کے چند اقوال نقل کئے جا رہے ہیں جو عبد الواحد الأمدی التمیمی نے اپنی کتاب "غرر الحکم و دررالکلم" میں تحریر کئے ہیں:

"العدل حياة الاحکام۔" عدل احکام کی زندگی ہے۔ (۲۲)

"العدل حياة۔" عدل زندگی ہے۔ (۲۳)

امام موسیٰ کاظم ؑ اللہ تعالیٰ کے قول "یحی الارض بعد موتها" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں: "لیس یحییها بالقطر، و لكن یبعث الله رجلا فیحییون العدل فتحی الارض لاحیاء العدل، و لاقامة الحد الله انفع فی الارض من القطر اربعین صباحا۔" (۲۴)

اللہ تعالیٰ زمین کو (صرف) بارش کے قطروں سے زندہ نہیں کرے گا لیکن (زمین کو زندہ کر نے کے لیے) لوگوں کو مبعوث کرے گا جو عدل کو زندہ کریں گے پھر زمین زندہ ہو جائے گی عدل کے زندہ ہونے سے اور حدود اللہ کے قیام سے زمین سے فائدہ حاصل کیا جائے گا۔

عدل سیاسی کے متعلق آپ کے چند اقوال

"العدل فضیلة الانسان۔" (۲۵) عدل انسان کی فضیلت ہے۔

اور :- "العدل فضیلة السلطان۔" (۲۶) عدل حکمران کی فضیلت ہے۔

"العدل نظام الامر۔" (۲۷) عدل حکومت کا نظام ہے۔

:- "العدل قوام الرعیة۔" (۲۸) عدل رعیت کا قوام ہے۔

"العدل یصلح البریة۔" (۲۹) عدل مخلوق کی اصلاح کرتا ہے۔

"الرعیة لا یصلحها الا العدل۔" (۳۰) عوام کی اصلاح عدل کے ہی ذریعے ہو سکتی ہے۔

"اعدل فیما ولیت۔" (۳۱) جن لوگوں کا حکمران بنو ان میں عدل قائم کرو۔

"اعدل تدم لك القدرة۔" (۳۲) عدل قائم کرو تاکہ تمہاری طاقت دوام حاصل کر سکے۔

عدل کی بنیاد، ایمان ہے

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص، خاص طور سے اگر وہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، عدل کا مدعی ہے لیکن ان میں سے کون سچا ہے؟ اس کا معیار کیا ہے؟ کون عدل پسندی کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ جس کی بات حجت ہو۔

اصولاً عدل کا سرچشمہ کیا ہے؟ عدل کی نمود انسان کی باطن سے ہے یا اس کے وجود کے باہر سے؟

ان تمام سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے ، وہ یہ ہے کہ : عدل انسان کے باطن سے نمود حاصل کرتا ہے ، اور اس کا سرچشمہ صرف ایمان ہے اور دوسری شاخیں اسی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہیں جیسا کہ حضرت علی - ایک خطبے میں مؤمن کی صفات بیان کرتے ہیں: "قَدْ لَزِمَ نَفْسَهُ الْعَدْلَ فَكَانَ أَوَّلَ عَدْلِهِ نَفْيُ الْهَوَىٰ عَنْ نَفْسِهِ." (۳۳)

اس نے اپنے لیے عدل کو لازم کر لیا ہے چنانچہ اس کے عدل کا پہلا قدم خواہشات کو اپنے نفس سے دور رکھنا ہے ۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل متقی و پرہیز گار انسان کی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے جو اسے اپنی نفسانی خواہشات پر عمل کرنے سے روکتی ہے ۔ اور خواہشات پر قابو اس وقت پایا جاتا ہے جب انسان کا اندر صاف ہو اور اس کا ایمان مضبوط ہو۔ اسی طرح ایک اور قول میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"الْعَدْلُ رَأْسُ الْإِيمَانِ ، جَمَاعُ الْإِحْسَانِ وَ أَعْلَى الْمَرَاتِبِ الْإِيمَانِ." (۳۴)

عدل ایمان کا سر، احسان کا مجموعہ اور ایمان کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے ۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل کی بنیاد ایمان ہے۔ حضرت علی - عدل کو ایمان کا ستون سمجھتے ہیں کہ:-

"الْإِيمَانُ عَلَى أَرْبَعِ دَعَائِمٍ: عَلَى الصَّبْرِ وَ الْيَقِينِ وَ الْعَدْلِ وَ الْجِهَادِ..... الْعَدْلُ مِنْهَا عَلَى أَرْبَعِ شُعَبٍ: عَلَى غَاثِ الْفَهْمِ، وَ غُورِ الْعِلْمِ ، وَ زَهْرَةِ الْحُكْمِ وَ رِسَاخَةِ الْحِلْمِ." (۳۵)

ایمان کے چار ستون ہیں صبر ، یقین، عدل اور جہاد اس میں سے عدل کی بھی چار شاخیں ہیں (اول) عدل تہوں تک پہنچنے والی فکر ہے (دوم) علم کی گہرائی ہے ، (سوم) فیصلہ کی خوبی ہے اور (چہارم) عقل کی پائنداری ہے ۔ ان چاروں شاخوں کا ایک دوسرے سے ربط بیان کرتے ہیں کہ :-

"فَمَنْ فَهَمَ عِلْمَ غُورِ الْعِلْمِ وَ مَنْ عِلْمَ غُورِ الْعِلْمِ صَدَرَ عَنْ شَرَائِعِ الْحُكْمِ وَ مَنْ حِلْمَ لَمْ يَفْزُطْ فِي أَمْرِهِ وَ عَاشَ فِي النَّاسِ حَمِيدًا." (۳۶)

چنانچہ جس نے غور و فکر کیا ، وہ علم کی گہرائیوں سے آشنا ہوا اور جو علم کی گہرائیوں میں اترا، وہ فیصلے کے سرچشمہ سے سیراب ہو کر پلٹا اور جس نے حلم و بردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہیں کی اور لوگوں میں نیک نام رہ کر زندگی بسر کی ۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں اول اخلاقی عدل ، جس کی بنیاد ایمان اور نیک و صالح اعمال ہیں اور دوم سماجی عدل اور انصاف ہے۔ ان دونوں قسموں میں سے عدل اخلاق ، سماجی عدل کی اساس قرار پائے گا کیونکہ اگر افراد معاشرہ اخلاق کی صفت سے آراستہ نہ ہونگے تو معاشرے میں سماجی عدل کا قیام مشکل ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر جبکہ افراد میں ایمان ، اخلاق ، خدا ترسی اور تقویٰ نہ ہو اسی صورت میں اجتماعی عدل کی توقع ایک خام خیال ہے ۔ انسانی معاشرہ کی مشکلیں ، جابروں اور ظالموں کا تسلط ، طبقہ بندیوں اور نا انصافیاں یہیں سے ظہور پذیر ہوتی ہیں ۔ اسی لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ انسان کا تزکیہ نفس کر کے اسے صحیح انسان بنایا جائے اور یہ انبیاء کرام کی آمد کا بھی مقصد ہے جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے:-

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ." (۳۸)

اس نے ان پڑھ لوگوں میں رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے پہلے انسان کے اخلاق درست ہوں اور اس کا اندر پاک و پاکیزہ

بن جائے اس کے بعد ان کے ہاتھوں میں معاشرے کی باگ ڈور سونپی جائے تاکہ علم اور حکمت کی بدولت معاشرے میں عدل کی حاکمیت اور سماجی انصاف کا صحیح قیام کرے۔

ظلم اور اس کی اقسام

چونکہ عدل کی ضد ظلم ہے اس لیے ضروری ہے کہ ظلم کی بھی وضاحت کی جائے۔ حضرت علی - ظلم کی تین اقسام بیان کرتے ہیں:-

"إِنَّ الظُّلْمَ ثَلَاثَةٌ فِظْلَمٌ لَا يُغْفَرُ وَ ظْلَمٌ لَا يُتْرَكُ وَ ظْلَمٌ مَغْفُورٌ لَا يُطْلَبُ." (۳۹)

بے شک ظلم کی تین اقسام ہیں، ایک وہ ظلم ہے جو بخشا نہیں جائے گا، دوسرا ظلم وہ ہے جو چھوڑا نہیں جائے گا۔ تیسرا ظلم وہ ہے جو بخشا جائے گا اور اس کی باز پرس نہیں ہوگی۔ پہلا ظلم: "فَإِمَّا ظَلَمَ الَّذِي لَا يُغْفَرُ فَالشَّرُّ بِاللَّهِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى - "إِنَّ اللَّهَ لَا يُغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ" - (۴۰) لیکن وہ ظلم جو بخشا نہیں جائے گا وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے کہ: اللہ اس ظلم کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔

دوسرا ظلم: "أَمَّا ظَلَمَ الَّذِي لَا يُتْرَكُ فَظْلَمُ الْعِبَادِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا. الْقِصَاصُ هُنَاكَ شَدِيدٌ لَيْسَ هُوَ جِرْحًا بِالْمَدَى وَلَا ضَرْبًا بِالسَّيَاطِ، وَلَكِنَّهُ مَا يُسْتَصْعَرُ ذَالِكَ مَعَهُ." (۴۱)

وہ ظلم جو چھوڑا نہیں جائے گا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے، جس کا آخرت میں سخت بدلہ لیا جائے گا۔ وہ چھریوں سے کچوکے دینا اور کوڑوں سے مارنا نہیں ہے بلکہ ایک سخت عذاب ہے جس کے مقابلے میں یہ چیزیں بہت ہی کم ہیں۔

تیسرا ظلم: "أَمَّا ظَلَمَ الَّذِي يُغْفَرُ فَظْلَمُ الْعَبْدِ نَفْسَهُ عِنْدَ بَعْضِ الْهِنَاتِ." (۴۲)

وہ ظلم جو بخشا جائے گا وہ ہے جو بندہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہو کر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ حضرت علی - ظلم، بے عدالتی اور ناانصافی کو معاشرے کی سب سے بڑی مصیبت اور بلا سمجھتے ہیں یہاں پر آپ علیہ السلام کے ظلم کے متعلق چند اقوال بیان کئے جا رہے ہیں۔

ظلم کو آخرت کا بدترین توشہ کہتے ہیں: "بئس الزاد الى المعاد العدوان على العباد." (۴۳) آخرت کا بدترین توشہ اللہ کے بندوں پر ظلم اور ستم کرنا ہے۔ ظالم کو ظلم کی سزا ہر صورت میں ملے گی :

"وَلَنْ أَمُحِلَ الظَّالِمُ فَلَنْ يَفُوتَ أَخْذَهُ وَهُوَ بِالْمِرْصَادِ عَلَى مَجَازٍ طَرِيقَهُ وَ بِمَوْضِعِ الشَّجَا مِنْ مَسَاغٍ رِيقِهِ." (۴۴) اگر ظالم کو مہلت دی جائے تب بھی وہ انتقام کے پنجے سے بچ نہیں سکتا اللہ اس کی کمین گاہ اور گذرگاہ پر ہے اور ظلم کی سزاہٹی کے مانند ظالم کے گلے میں پھنس جائے گا۔

ظلم کی اقسام میں سے سرکشی اور جھوٹ ہیں جو انسان کو ذلیل کرتے ہیں: "وَأَنَّ الْبَغْيَ وَالزُّورَ يَذِيعَانِ الْمَرْءَ فِي دِينِهِ وَ دُنْيَاهُ وَيَبِيدَانِ خَلْلَهُ عِنْدَ مَنْ يَعِيبُهُ." (۴۵)

سرکشی اور جھوٹ انسان کو دین اور دنیا میں خوار اور ذلیل کردیتے ہیں اور نکتہ چینی کرنے والے کے سامنے ان

کی خامیاں کھول دیتے ہیں۔ اور:
"و ظلم الضعیف افشح الظلم۔ (۴۶) ضعیف پر ظلم کرنا سب سے بدترین ظلم ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام کا اپنے گورنروں کو عدل اور انصاف کا حکم

امام علی علیہ السلام کے خطبوں ، خطوط اور اقوال میں عدل اور انصاف کا حکم موجود ہے اور اپنے تمام گورنروں کو عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتے ہیں ۔ جب زیاد ابن ابیہ کو عبداللہ ابن عباس کی قائم مقامی میفارس اور اس کے ملحقہ علاقوں کا گورنر مقرر کیا تو اسے یہ ارشاد فرمایا:
"استعملِ العدلَ واحذرِ العسفَ والحیفَ ؛ فَإِنَّ العسفَ يعدُّ بالجلایِّ والحیفُ يدعو الى السیفِ۔" (۴۷) عدل کی روش پر چلو بے راہ روی اور ظلم سے کنارہ کشی کرو، کیونکہ بے راہ روی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں گھر بار چھوڑنا پڑے گا اور ظلم انہیں تلوار اٹھانے پر مجبور کرے گا۔"

ایک اور مقام پر اپنے گورنر مالک اشتر کو ارشاد فرمایا: "انصف الله و انصف الناس من نفسک و من خاصة اهلک و من لک فیہ ہوی من رعیتک، فَإِنَّک ان لا تفعلَ تظلمَ، و من ظلم عبادالله کان الله خصمه دون عباده و من خاصمه الله ادحض حجتہ و کان الله له حرباً حتّٰی یززع او یتوب، و لیس شیء ادعیٰ الی تغییر نعمة الله و تعجیل نقمته من اقامة علی ظلمٍ ، فَإِنَّ الله سميع دعوة المضطهدين و هو بالظالمين بالمرصاد۔" (۴۸)
اپنی ذات کے بارے میں اور اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے دل پسند افراد کے معاملے میں اللہ تعالیٰ اور انسانوں سے متعلق انصاف کرتے رہنا۔ عدل اور انصاف نہ کرنا ظلم ہے، پس اگر تم نے انصاف نہ کیا تو ظالم ٹھہرو گے۔ اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا دشمن بن جاتا ہے اور جس کا اللہ دشمن ہو وہ اس کی ہر دلیل کو کچل دیتا ہے اور اللہ اس سے برسر پیکار رہے گا، یہاں تک کہ باز آجائے اور توبہ کر لے۔ اور اللہ کی نعمتوں کو سلب کرنے والی اور اس کی عقوبتوں کو جلد بلاوا دینے والی کوئی چیز اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ظلم و ستم پر باقی رہا جائے۔ بے شک اللہ مظلوموں کی پکار سنتا ہے اور ظالموں کے لیے موقع کا منتظر رہتا ہے۔

ظالم سے مظلوم کا حق لینا اور اسے حق کے راستے پر لے آنا حاکم اسلامی کی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں حضرت علی ۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "ایم الله لانصفن المظلوم من ظالمه و لاقودن الظالم بخزامته حتّٰی اوردہ منهل الحق و ان کان کارباً۔" (۴۹)

خدا کی قسم میں مظلوم کا حق ظالم سے لوں گا اور ظالم کو گریبان سے پکڑ کر اسے حق کے راستے پر لے آؤں گا چاہے اسے برا ہی کیوں نہ لگے۔ حضرت امیرالمؤمنین علی علیہ السلام اپنے عاملین کے نام ایک مکتوب میں ارشاد فرمایا: "و لو لم یکن فیما نہی الله عنه من البغی والعدوانِ عقابٌ یُخافُ لکان فی ثوابِ اجتنابه ما لا عذر فی ترکِ طلبه فأنصفوا الناس من انفسکم۔" (۵۰)

خدا نے ظلم اور سرکشی سے جو روکا ہے اس پر سزا کا خوف نہ بھی ہوتا جب بھی اس سے بچنے کا ثواب ایسا ہے کہ اس کی طلب سے بے نیاز ہونے میں کوئی عذر نہیں کیا جا سکتا ۔ لہذا لوگوں سے عدل اور انصاف کا رویہ اختیار کرو۔

حضرت علی - کی نگاہ میں عدل کا دائرہ

حضرت علی - کی نگاہ میں عدل کے دائرے کی وسعت اتنی تو پھیلی ہوئی ہے کہ اس کی شعاع انسانی زندگی کے دائرے سے نکل کر تمام حیوانات ، نباتات اور جمادات تک کو گھیرے ہوئے ہے :

"وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي عِبَادِهِ وَبِلَادِهِ فَإِنَّكُمْ مَسْئُولُونَ حَتَّىٰ عَنِ الْبَقَاعِ وَ الْبَهَائِمِ." (۵۱)

اے لوگو! خدا کے بندوں اور اس کے شہروں کے معاملے میں تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تم سے حتیٰ کہ زمین کے خطوں اور جانوروں کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا ۔

حضرت علی - کا نظریہ عدل انسان تو کیا حیوانات ، نباتات اور جمادات تک کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ خداوند عالم کی بارگاہ میاں کے حقوق کے متعلق سوال ہوگا۔

حضرت علی [ع] کا عدل

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب - ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاللّٰهُ لَانَ ابِيتَ عَلٰی حَسَكِ السَّعْدَانِ مَسْهَدًا اَوْ اَجَرَ فِی الْاَغْلَالِ مَصْفَدًا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ الْقَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ظَالِمًا لِّبَعْضِ الْعِبَادِ وَغَاسِبًا لِّشَیْءٍ مِنَ الْحَطَامِ وَ کِیْفَ اَظْلَمَ اَحَدًا لِّنَفْسِ اِلَى الْبَلٰی قَفُوْلَهَا وَیَطُوْلُ فِی الثَّرِیِّ حُلُوْلَهَا." (۵۲)

خدا کی قسم! اگر مجھے سعدان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنی پڑے ، اور مجھے زنجیر وسمیں جکڑ کر کھینچا جائے تو یہ میرے لیے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مالِ دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کی آسودگی کے لیے کسی پرکیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تھوں میں پڑا رہے گا۔

"سعدان " :ایک خار دار جھاڑی ہے جسے اونٹ چرتا ہے۔" (۵۳)

امیر المؤمنین علی - عدل کو اتنا پسند کرتے ہیں اور ظلم سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ اگر انہیں ساری رات اسی سعدان کے کانٹوں کے اوپر گزارنی پڑے یا زنجیروں کے طوق بنا کر آپ کی گردن میں ڈال کر آپ کو گھسیٹا جائے صرف اس وجہ سے کہ اللہ کے بندوں میں سے کسی پر ظلم اور ناانصافی کریں تو ذرہ برابر بھی ظلم اور ناانصافی نہیں کریں گے ۔ یہ صرف ادعا نہیں ہے ، بلکہ انہوں نے عملی طور سے ثابت بھی کر دیا کہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ منزلِ عمل میں اس سے زیادہ پابند ہیں ۔ اس کے بعد سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اپنے بھائی عقیل کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

"وَاللّٰهُ لَقَدْ رَأٰیْتُ عَقِیْلًا وَ قَدْ اَمْلَقَ حَتّٰی اسْتَمَاحَنِیْ مِنْ بَرَكَمِ صَاعًا وَ رَأٰیْتُ صَبِیْاَنَهُ شَعَثَ الشَّعُوْرَ غِیْرَ الْاَلْوَانِ مِنْ فُقَرٰهُمْ کَاَنَّمَا سَوَّدَتْ وَجُوْهُهُمْ بِالْعِظْمِ." (۵۴)

اللہ کی قسم میں نے عقیل کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا ، یہاں تک کہ وہ تمہارے حصہ کے گبیوں میں سے ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے۔ میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیے گئے ہیں۔

آپ عقیل اور ان کی اولاد کی کیفیت اور حالت بیان کرنے کے بعد عقیل کے اصرارِ طلب کو اور اپنے جواب کو بیان

کرتے ہیں :

"وعاودنی مؤگداً و کرّر علی القول مردداً فأصغيتُ اليه سمعي فظنّ أنّي ابيعه ديني و اتّبع قياده مفارقاً طريقي۔
فاحميتُ له حديدَةً ثمّ اذنيتهما من جسمه ليعتبر بها فضجّ ضجيج ذی دنفٍ من المها ، و كاد ان يحترق من
ميسمها فقلتُ له ثكلت الثواكلُ يا عقيلُ انتنُ من حديدَةٍ احماها انسانها للعبه ، وتجرّتی الى نارٍ سجرها جبارها
لغضبه۔ انتنُ من الاذی و لا انتنُ من لظی ۔"(۵۵)

وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دہرایا ، میں نے ان کی باتوں کو کان لگا کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھوں اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کی کھینچ تان پر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا ۔ مگر میں نے کیا یہ کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تاکہ عبرت حاصل کرے ، چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار دردآور کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا جسم اس داغ دینے سے جل جائے پھر میں نے ان سے کہا اے عقیل رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک انسان نے ہنسی مذاق میں تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے تم تو اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں ۔

حضرت علی ۔ کی یہ عدل پسندی جو ان کے اپنے خاندان کے عزیزترین افراد پر بھی پوری قاطعیت کے ساتھ عمل میں آتی ہے یہ آپ علیہ السلام کے بے مثال زہد و تقویٰ کا نتیجہ ہے ۔

اسی سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے امام علی علیہ السلام ایک اور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیںکہ:-
'و اعجبُ من ذالک طارق طرقنا بملفوفةٍ فی وعائها ، و معجونةٍ شنتُها کائما عجت بريقِ حيةٍ او قيئها ، فقلتُ
أصلّة ام زکوة ام صدقة فذالک محرّم علینا اهل البيت ، فقال لا ذا و لا ذاک ولکنّها هدية ۔ فقلت هبلتک الهبولُ ،
أ عن دين الله اتيتنی لتخدعنی ، أ مختبِط انت ام ذو جنّة ام تهجر۔"(۵۶)

اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص رات کے وقت گوندھا ہوا حلوہ ایک سر بند برتن میں لیے ہوئے ہمارے گھر پر آیا جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے سانپ کی تھوک میں یا اس کی قے میں گوندھا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کیا یہ صلہ ہے یا زکوة ہے یا صدقہ ہے کہ جو ہم اہل بیت پر حرام ہے ۔ تو اس نے کہا نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ یہ تحفہ ہے ۔ تو میں نے کہا رونے والیاں تجھ پر روئیکیا تو دین کے راستے سے مجھے فریب دینے کے لیے آیا ہے یا بہک گیا ہے ؟ یا پاگل ہو گیا ہے یا یونہی ہڈیاں بک رہا ہے۔
عدل حضرت علی ۔ کی رگ رگ میں موجود تھا جس کی وجہ سے ظلم سے بیحد نفرت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی چھوٹی سی معصیت سے بھی نفرت کرتے ہیں چاہے اس کے مقابلہ میں کتنا ہی بڑا انعام کیوں نہ ملے
"والله لو أعطيتُ الاقاليم السبعة بما تحت افلاكها علی ان اعصی الله فی نملةٍ اسلبها جلب شعيرةٍ ما فعلتُ
۔"(۵۷)

خدا کی قسم ! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دیے جائیں ، اس بدلے میں کہ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جو کا چھلکا چھین لوں تو کبھی بھی ایسا کبھی نہیں کروں گا ۔

اور اپنی نظر میں دنیا کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں : "و انّ دنیاکم عندی لاهونُ من ورقةٍ فی فمّ جرادةٍ تقضمها۔"
(۵۸) اور بے شک یہ تمہاری دنیا تو میرے نزدیک اس پتی سے بھی زیادہ بے قدر و قیمت ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔

دنیا کے عیش و عشرت کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ :
 " مَا لِعَلِيٍّ وَلِنَعِيمٍ يَفْنَىٰ وَلِلَّذِي لَا تَبْقَىٰ ، نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ سَبَاتِ الْعَقْلِ وَقَبْحِ الدَّلِيلِ وَبِهِ نَسْتَعِينُ . " (۵۹) علی - کو فنا ہونے والی نعمتوں اور باقی نہ رہنے والی لذتوں سے کیا واسطہ ہم عقل کے خوابِ غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیاور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں ۔

تقسیم بیت المال میں عدل

امیر المؤمنین علی ابن طالب جب ظاہری خلافت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالا بیت المال کی تقسیم میں پیغمبر اکرم کی سنت کے مطابق جس شہر میں جو مال جمع ہو تا اسی شہر کے مستحقین میں تقسیم کر دیتے اور اگر وہاں سے کچھ بچ کر آتا تو بیت مال میں سمیٹ رکھنے کے بجائے اسے مستحقین میں تقسیم کر کے بیت المال خالی کر دیتے:

"ما كان يدع في بيت المال مالا يبيت فيه حتى يقسمه الا ان يشغله شغل فيصبح اليه." (۶۰) آپ نے یہ نوبت نہیں آنے دی کہ رات گزاریں اور مال بیت المال میں پڑا رہے بلکہ رات سے پہلے اسے تقسیم کر دیا کرتے تھے ۔ البتہ اگر کوئی مانع ہو تا تو صبح ہونے دیتے۔

امیر المؤمنین - نے بیت المال کی تقسیم میں اعلیٰ و ادنیٰ ، قرشی اور غیر قرشی ، آزاد و غلام سب کا حق مساوی سمجھتے تھے ۔ اور رنگ و نسل اور قومیت و وطنیت کی بنا پر امتیاز گوارا نہ کرتے تھے اور یہ اعلان کر دیا تھا کہ میں سب امتیازات ختم کر دوں گا ۔ عقیل نے یہ اعلان سنا تو حضرت سے کہا کہ آپ مجھے اور مدینہ کے ایک حبشی غلام کو ایک سطح پر رکھیں گے ۔ تو حضرت نے انہیں فرمایا :

اجلس رحمك الله و ما فضلک عليه الا بسابقة او تقوى۔ بیٹھئے خدا تم رحم کرے اگر تم کو اس پر فضیلت ہو

سکتی ہے تو سبقت اور تقویٰ کی بنا پر (نہ کہ بیت المال کی تقسیم میں۔) (۶۱)

ایک مرتبہ دو عورتیں حضرت کے پاس آئیں حضرت نے ان دونوں کو برابر برابر دیا اس پر ایک نے کہا میں عربیہ اور آزاد ہوں اور یہ غیر عربیہ اور کنیز ہے ۔ اور آپ نے ہم دونوں کو ایک ہی درجہ پر سمجھ لیا حالانکہ میں مرتبہ کے اعتبار سے بلند تر ہوں۔ حضرت نے زمیں سے مٹی اٹھائی اور اس پر نظر کرنے بعد فرمایا :-

"ما اعلم ان الله فضل احدا من الناس على احد الا با لطاعة و التقوى۔"

میرے علم میں نہیں کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہو مگر اسے جو طاعت و تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو۔ (۶۲)

ایک مرتبہ سہل ابن حنیف اپنے حبشی غلام کو لے کر حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یہ بیت المال میں سے اپنا حصہ لینے کے لیے آیا ہے، آپ اسے کیا دیں گے ۔ فرمایا کہ تمہیں کیا ملا ہے کہا کہ سب کو تین تین دینار ملے ہیں ۔ فرمایا کہ اسے بھی تین دینار دیئے جائیں گے۔ (۶۳)

ایک مرتبہ آپ کی ہمشیرہ ام ہانی بنت ابی طالب آپ کے ہاں آئیں آپ نے بیت المال میں سے بیس درہم انہیں دیئے ۔ انہوں نے واپس پلٹ کر اپنی ایک عجمیہ کنیز سے دریافت کیا کہ تمہیں امیر المؤمنین نے کیا دیا ہے ، اس نے کہا بیس درہم ۔ یہ سن کر جناب ام ہانی حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ نے جو کنیز کو دیا ہے وہی مجھے دیا ہے حالانکہ میرا حق فائق ہے۔ حضرت نے فرمایا :-

انی و اللہ لا اجد لہنی اسمعیل فی هذا الفی فضلا علی بنی اسحق۔

خدا کی قسم میں نے کہیں نہیں پایا کہ اس مال میں بنی اسماعیل کو بنی اسحاق پر کوئی فوقیت حاصل ہے۔
(۶۴)

امیر المؤمنین کی بلند نفسی اس کی قطعاً روادار نہ ہو سکتی تھی کہ وہ قرابت و عزیز داری کی بناء پر اپنے نظریہ تقسیم بیت المال میں تبدیلی پیدا کریں اور جانبداری سے کام لے کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے امتیازی برتاؤ روا رکھیخواہ بہن ہو یا بھائی بیٹا ہو یا بیٹی۔ آپ نے تقسیم بیت المال میں وہی طرز عمل اختیار کیا جو پیغمبر اکرم کا تھا۔ نہ بیت المال میں مال جمع کر رکھا اور نہ تقسیم میں رنگ و نسل کا امتیاز کیا بلکہ عدل و مساوات کے جو پیمانے وضع کئے اور حق و انصاف کے جو معیاری نمونے پیش کئے دنیا اس کی مثال پیش کرنے قاصر ہے

حضرت علی [ع] کا حکام کو عدل کا حکم

امام علی۔ کے خطبوں ، خطوط اور اپنے عمال نیز مددگاروں کو دیے گئے فرامین میں ہمیشہ عوام کے ایک ایک فرد کے ساتھ عدل اور انصاف سے پیش آنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ اس پر عمل کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے " اِنَّ اَفْضَلَ قَرَّةَ عَيْنٍ الْوَلَاةِ اسْتِقَامَةُ الْعَدْلِ فِي الْبِلَادِ وَظُهُورُ مَوَدَّةِ الرَّعِيَّةِ ، وَ اِنَّهُ لَا تَظْهَرُ مَوَدَّتُهُمْ اِلَّا بِسَلَامَةِ صَدُورِهِمْ۔" (۶۵)

بے شک حکمرانوں کے لیے سب سے بڑی آنکھوں کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ شہروں میں عدل اور انصاف برقرار رہے اور رعایا کی محبت ظاہر ہوتی رہے۔ ان کی محبت اس وقت ظاہر ہوا کرتی ہے کہ جب ان کے دلوں میں میل نہ ہو۔

حکمرانوں کو عوام کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آنے کا حکم دیتے ہیں کہ:-

"وَلَا تَصْخُ نَصِيحَتُهُمْ اِلَّا بِحَيْطَتِهِمْ عَلَى وِلَاةِ الْاُمُورِ قَلَّةٍ اسْتِثْقَالِ دَوْلِهِمْ وَ تَرْكِ اسْتِبْطَائِ مَدَّتِهِمْ۔" (۶۶)
اور ان کی خیر خواہی اسی صورت ثابت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے حکمرانوں کے گرد حفاظت کے لیے گھیرا ڈالے رہیں۔ ان کا اقتدار سر پر پڑا بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت کے خاتمے کے لیے گھڑیاں گنتے رہیں۔
حکمرانوں کو عوام کے کارناموں کی تعریف کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ " فَاَفْصَحُ فِي اَمَالِهِمْ وَوَاَصْلُ فِي حَسَنِ الثَّنَائِ عَلَيْهِمْ وَ تَعْدِيدِ مَا اَبْلَى ذُووَالْبَلَاءِ مِنْهُمْ ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الذِّكْرِ لِحَسَنِ اَفْعَالِهِمْ تَهْزُ الشَّجَاعَ وَ تَحْرُضُ النَّاْكَلَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔" (۶۷)

لہذا ان کی امیدوں میں کشائش اور وسعت رکھنا انہیں اچھے لفظوں میں سراہتے رہنا اور ان کے کارناموں کی تذکرہ کرتے رہنا اس لیے کہ ان اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے انشاء اللہ۔

حضرت علی۔ حکمرانوں کو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ لوگوں کو اپنی ذات سے بھی انصاف دلائیں: فَانْصَفُوا النَّاسَ مِنْ اَنْفُسِكُمْ وَاصْبِرُوا لِحَوَائِجِهِمْ۔" (۶۸) پس اپنے معاملے میں لوگوں سے عدل اور انصاف کرو اور ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں برداشت سے کام لو۔ حکمران عوام کے نمائندے ہیں اور ان کی دولت کے خزانچی ہیں: " فَإِنَّكُمْ خَزَانُ الرَّعِيَّةِ وَ وُكَلَاءُ الْاُمَّةِ وَ سَفَرَاءُ الْاُمَّةِ۔" (۶۹) اس لیے کہ تم رعیت کے خزانچی اور امت کے نمائندے اور اماموں کے سفیر ہو۔

سیاسی نظام میں عدل

دینی حکومت کا فلسفہ ہی قیامِ عدل ہے۔ لہذا اس قسم کی حکومت میں ظالم اور ستمگر کو رہبری کی کوئی اجازت نہیں اور نہ ہی ظالم حاکمیت کی کوئی شرعی حیثیت ہے۔ عدل اور قیامِ عدل ایک الہی عہد و پیمان اور شرعی تکلیف و ذمہ داری ہے۔ آپ نے حکومت کو قبول کرنے کا مقصد یوں بیان کرتے ہیں:-

" ما اخذ الله على العلماء ان لا يقاتوا على كظة ظالم ولا سغب مظلوم۔" (۷۰)

اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ظالم کی شکم سیری اور مظلوم کی بھوک پر راضی نہ ہوں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک، مخلص اور اہل علم بندوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومیت پر خاموش نہ رہیں بلکہ عدل اور انصاف قائم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہیں۔ حکام کا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل عدل اور انصاف کا قیام ہونا چاہیے:-

"ولیکن احب الامور الیک اوسطها فی الحق و اعمها فی العدل واجمعها رضا الرعية۔" تمہارے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ عمل ہونا چاہیے، جو حق کے لحاظ سے سب سے زیادہ درمیانی ہو اور عدل کی رُو سے سب سے زیادہ عام ہو اور رعایا کو سب سے زیادہ رضامند کرنے والا ہو۔ (۷۱)

قرآن و سنت سے حصول عدل کا حکم

قرآن کریم اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے اس میں علم اور عدل کے چشمے موجود ہیں جس سے انسان وابستہ ہو کر عدل کا خوگر بن جاتا ہے لہذا اسی باغ اور چمن میں داخل ہو کر سیاسی نظامِ عدل کو قائم رکھا جا سکتا ہے:-

"فہو معدن الایمان وبحبوحته وینابیع العلم وبحوره و ریاض العدل و عذرانہ۔" (۷۲)

وہ ایمان کا معدن و مرکز ہے اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں اس میں عدل اور انصاف کے چمن اور حوض ہیں۔

قرآن کریم کے بعد عدل کا مرکز اور محور آپ ہی کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں عدل اور انصاف ہی کو قائم رکھا، اس لیے ہدایتِ عدل آپ ہی سے حاصل کی جائے، جس طرح نہج البلاغہ میں ارشاد ہے:

"فہو امامن اتقى و بصيرة من اهتدى سرج لمع ضوءہ و شهاب سطع نورہ و زند برق لمعہ، سیرتہ القصد و سنتہ الرشاد و کلامہ الفصل، حکمہ العدل۔" (۷۳)

آپ پرہیز گاروں کے امام ہیں ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے بصیرت ہیں، آپ ایسا چراغ ہیں، جس کی روشنی لو دیتی ہے، اور ایسا روشن ستارہ ہیں، جس کا نور ضیاء پاش ہے، اور ایسا چقماق ہے، جس کی ضو شعلا فشاں ہے، آپ کی سیرت سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے، آپ کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے اور حکم عین عدل ہے۔

حضرت علی امام مہدی کی عادلانہ حکومت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:-

"فیریکم کیف عدل السیرة و یحیی میت الکتاب و السنۃ۔" (۷۴)

پس وہ تمہیں دکھائے گا کہ حق و عدل کی روش کیا ہوتی ہے اور وہ دم توڑ چکنے والی کتاب اور سنت کو پھر سے زندہ کر دے گا۔

قیام عدل کے عوامل

عدل دو صورتوں میں قائم ہو سکتا ہے، ایک یہ کہ انسان کا اندر پاک اور صاف کیا جائے جیسا سورۃ جمعہ کی آیت نمبر ۲ میں گذر چکا۔ اور لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسی طاقت و قوت کا خوف دلایا جائے کہ کبھی نہ کبھی اس کی گرفت میں جانا ہے اور اس کی عدل کے کٹھڑے سے نکلا نہیں جا سکتا۔ اس بات کی گواہی قرآن کریم میں اس طرح موجود ہے: "اِنَّمَا تَنْذَرُ مَنْ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ"۔ (۷۵)

بے شک آپ ان لوگوں کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت کی اتباع کرتے ہیں اور غیب میں رحمان سے ڈرتے ہیں اسی طرح حضرت علی مؤمن کی صفات بیان کرتے ہیںکہ: "فَكَانَ اَوَّلَ عَدْلِهِ نَفْيُ الْهَوَىٰ عَنْ نَفْسِهِ"۔ (۷۶) پس سب سے پہلا اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کی نفی کرے۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں پر قائم رکھے۔

حضرت علی کی نظر میں قیام عدل کے موانع

وہ اعمال جو اجرائے عدل میں رکاوٹیں بنتے ہیں ان کی وضاحت درج ذیل پیش کی جا رہی ہے۔

(الف) جانبداری کرنا

اقتدار ایک ایسی چیز ہے، جو کسی کو مل جائے تو وہ اس منصب کی وجہ سے جانبداری کرنے لگ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عدل اور انصاف قائم نہیں کر سکتا: "من ملک استاثر۔" (۷۷) جو اقتدار حاصل کر لیتا ہے جانبداری کرنے ہی لگتا ہے۔ لہذا حضرت علی اپنے گورنر مالک اشتر کو اس جانبداری سے روکتے ہیں کہ:

"اَيَّاكَ وَالْاِسْتِثَارَ بِمَا النَّاسُ فِيهِ اَسْوَةٌ وَالتَّغَابَىٰ عَمَّا تَعْنَىٰ بِهِ مِمَّا قَدْ وَضَحَ الْعَيُونُ فَاِنَّهُ مَأْضُودٌ مِنْكَ لَغَيْرِكَ وَ عَمَّا قَلِيلٍ تَنْكَشِفُ عَنْكَ اِغْطِيَةُ الْاُمُورِ وَ يَنْتَصِفُ مِنْكَ الْمَظْلُومُ"۔ (۷۸)

دیکھو! کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص نہ کر لینا، جس میں سب کا حق برابر ہے، اور نہ ایسی باتوں سے انجان بن جانا جو سب کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ خود غرضی سے جو کچھ حاصل کرو گے تمہارے ہاتھ سے چھن جائے گا اور دوسروں کو دیدیا جائے گا۔ جلد ہی تمہاری آنکھوں پر سے پردے اٹھ جائیں گے اور تم سے مظلوم کی داد خواہی کی جائے گی۔

(ب) نا انصافی

نا انصافی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ ہے کہ حقوق میں تمام عوام کو برابر نہ سمجھا جائے اور بعض کو بعض پر ترجیح دی جائے :-

"فَاِنَّ الْوَالِيَّ اِذَا اَخْتَلَفَ هَوَاهُ مَنَعَهُ ذَالِكَ كَثِيْرًا مِنَ الْعَدْلِ فَلْيَكُنْ اَمْرُ النَّاسِ عِنْدَكَ فِي الْحَقِّ سَوَاءً فَاِنَّهُ لَيْسَ فِي الْجَوْرِ عَوْضٌ مِنَ الْعَدْلِ"۔ (۷۹)

بے شک جب حاکم کے رجحانات مختلف ہوں گے تو یہ امر اس کو اکثر عدل اور انصاف پروری سے مانع ہوگا ، لہذا حق کی رُو سے سب لوگوں کا معاملہ تمہاری نظروں میں برابر ہونا چاہیے ، کیونکہ ظلم کبھی بھی عدل اور انصاف کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اپنے ہر عمل کو اچھا سمجھنا ، چاہے وہ برابی کیوں نہ ہو اور دوسروں کے اعمال کو برا سمجھنا ، چاہے اچھا ہی کیوں نہ ہو ، وہ عدل اور انصاف کے قیام میں رکاوٹ اور ناانصافی کا سبب بنتا ہے ۔ اسی لیے حضرت علی ۔ اس طرح کے فعلِ قبیح سے منع کرتے ہیں کہ:-

" فاجتنب ما تنکر امثاله ، وابتذل نفسک فیما افترض اللہ علیک ، راجیا ثوابہ ، و متخوفا عقابہ۔" (۸۰)

اور دوسروں کے جن کاموں کو تم برا سمجھتے ہو ، ان سے اپنا دامن بچا کر رکھو، اور جو کچھ خدا نے تم پر واجب کیا ہے، اسے انہماک سے بجا لاتے رہو ، اور اس کے ثواب کے امیدوار اور اس کی سزا کا خوف قائم رکھو۔ حق سے بھاگنا عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے:-

" فلا تأسف علی ما یفوتک من عددہم و یذهب عنک من مددہم فکفی لہم غیاً و لک منہم شافیاً فرارہم من الہدی و الحق وایضاعہم الی العمی والجہل۔" (۸۱)

اس تعداد پر جو نکل گئی ہے اور اس کمک پر جو جاتی رہی ہے ذرا افسوس نہ کرو ، ان کے گمراہ ہو جانے اور تمارے اس اندوہ سے چھٹکارا پانے کے لیے یہی بہت ہے کہ وہ حق اور ہدایت سے فرار کر رہے ہیں اور گمراہی و جہالت کی طرف دوڑ رہے ہیں ۔

دنیا کی طرف جھکنا بھی عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے :-

" وائما ہم اهل دنیا مقبلون علیہا ومہطعون الیہ۔" (۸۲)

یہ دنیا دار ہیں ، جو دنیا کی طرف جھک رہے ہیں اور اسی کی طرف تیزی سے لپک رہے ہیں ۔

حق کو چھوڑ کر ظلم کا ساتھ دینا بھی عدل کے قیام میں مانع ہوتا ہے :-

" قد عرفوا العدل و رأوه و سمعوه و علموا انّ النّاس عیندنا فی الحق اسوة فہربوا الی الاثرۃ فبعدا لہم و سحقا ، انہم واللہ لم ینفروا من جورٍ ولم یلحقوا بعدل۔" (۸۳)

انہوں نے عدل کو پہچانا ، دیکھا ، سنا اور محفوظ کیا اور اسے خوب سمجھ لیا کہ یہاں حق کے اعتبار سے سب برابر سمجھے جاتے ہیں ۔ لہذا وہ ادھر بھاگ کھڑے ہوئے جہاں جنبہ داری اور تخصیص برتی جاتی ہے ۔ اللہ کی قسم یہ لوگ ظلم سے نہیں بھاگے اور عدل سے جا کر نہیں چمٹے ۔

(ج) کسی کو کسی پر ترجیح دینا

اپنے خاص لوگوں کو ہر معاملے میں ترجیح دینے سے عدل قائم نہیں ہو سکتا اسی وجہ حضرت علی ۔ اپنے ایک گورنر کو اس طرح کے فعل سے روکتے ہیں کہ :-

" انّ للوالی خاصۃ و بطانۃ فیہم استثناء و تناول و قلۃ انصاف فی معاملۃ ۔ فاحسم مادۃ اولئک بقطع اسباب تلک الاحوال۔" (۸۴)

حاکم کے کچھ خاص اور سر چڑھے لوگ ہوا کرتے ہیں جن میں خود غرضی ، دست درازی ، بد معاملگی ہوا کرتی ہے۔ تمہیں حالات کے پیدا ہونے کی وجوہات ختم کر کے اس گندے مواد کو ختم کر دینا چاہیے ۔

اپنے قریبی لوگوں کو جاگیریں عطا کرنا بھی عدل اور انصاف کے قیام میں مانع ہوتا ہے جس سے منع کرتے ہیں کہ:

"ولا تقطعنّ لاحد من حاشیتک وحامتک قطیعة و لا یطمعنّ منک فی اعتقاد عقدة تضرّ بمن یلیها من الناس فی شرب او عمل مشترک یحملون مؤونته علی غیرهم" (۸۵)

اپنے کسی حاشیہ نشین اور قرابت دار کو جاگیر نہ دینا اور اسے تم سے توقع نہ باندھنا چاہیے، کسی ایسی زمین پر قبضہ کرنے کی جو آبپاشی یا کسی مشترکہ معاملے میں اس کے آس پاس کے لوگوں کے لیے ضرر رساں ہو، یوں کہ اس کا کچھ بوجھ دوسرے پر ڈال دے۔

اور اپنے قریبی لوگوں کو دوسروں پر ترجیح دینے سے حکمرانوں پر ایک قسم کا دھبہ لگ جاتا ہے جو کبھی اترتا نہیں : "فیکون مهنأ ذالک لهم دونک و عیبه علیک فی الدنيا والآخرة" (۸۶)

اس صورت میں اس کے خوش گوار مزے تو اس کے لیے ہوں گے نہ تمہارے لیے، مگر اس کا بد نما دھبہ دنیا اور آخرت میں تمہارے دامن پر رہ جائے گا۔

(د) ضعف نفس (کمزوری و سستی دکھانا)

کمزوری دکھانے سے نہ صرف عدل اور انصاف قائم نہیں ہوتا بلکہ اس سے ذلت اور مصیبت ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے:

"فمن ترک رغبة عنه البسه الله ثوب الذل و شملة البلاء و دیت بالصغار والقمائ و ضرب علی قلبه بالاسداد" (۸۷)

جس نے اس کو چھوڑ دیا اللہ اسے ذلت اور خواری کا لباس پہنا تاہے اور مصیبت و ابتلا کی چادر اوڑھا دیتا ہے، اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے اور مدہوشی و غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور -

"وادیل الحق منه بتضییع الجہاد و سیم الخسف و منع النصف" (۸۸)

اور جہاد کو ضایع اور برباد کرنے سے حق اس کے ہاتھ سے لے لیا جاتا ہے، ذلت اسے سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک اور خطبے میں سستی اور کاہلی کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"لا یمنع الضیم الدلیل ولا یدرک الحق الا بالجدّ" (۸۹)

ذلیل آدمی ذلت آمیز زیادتیوں کی روک تھام نہیں کر سکتا اور حق تو بغیر کوشش کے نہیں ملا کرتا۔

اس سے ظلم اور زیادتیوں کو روکا نہیں جاسکتا اور نہ ہی عدل اور انصاف قائم ہو سکتا ہے :-

"وکائی انظر الیکم تکشون کشیش الضباب لا تاخذون حقا ولا تمنعون ضیما" (۹۰)

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس طرح کی آوازیں نکال رہے ہو جس طرح سوسماروں کے اڑدھام کے وقت ان کے جسموں کے رگڑ کھانے کی آواز ہوتی ہے، نہ تم اپنا حق لیتے ہو اور نہ توہین آمیز زیادتیوں کی روک تھام کر سکتے ہو۔

ظلم سے نجات نہیں ملتی : "قد خلّیتم والطریق فالنجاة للمقتحم والهلکة للمتلّوم" (۹۱)

تمہیں راستے پر کھلا چھوڑ دیا گیا ہے، نجات اس کے لیے ہے، جو اپنے آپ کو جنگ میں جھونک دے اور جو

سوچتا ہی رہ جائے اس کے لیے ہلاکت و تباہی ہے۔ اور نہ ہی عدل اور انصاف قائم ہو سکتا ہے :-

"أطأرکم علی الحق و انتم تنفرون عنه نفور المعزی من وعوة الاسد هیہات ان اطلع بکم سرار العدل او اقیم

اعوجاج الحق" (۹۲)

میتمہیں نرمی و شفقت سے حق کی طرف لانا چاہتا ہوں اور تم اس سے اس طرح بھڑک اٹھتے ہو جس طرح شیر کی گرج سے بھیڑ بکریاں ۔ کتنا دشوار ہے کہ میں تمہارے سہارے پر چھپے ہوئے عدل کو ظاہر کروں یا اس حق میں پیدا کی ہوئی کجیوں کو سیدھا کروں۔

حوالہ جات

- (۱) النعمان بن محمد التمیمی المغربي (متوفی ۳۶۳ھ): شرح الاخبار فی فضائل الائمة الاطہار، ج ۱، ص ۹۱، ناشر مؤسسة النشر الاسلامی قم، ایران۔ اور مناقب آل ابی طالب، لابن شہر آشوب (متوفی ۵۸۸ھ) ص ۳۱۲، مطبعة الحیدریة النجف الشرف۔
- (۲) الشیخ محمد بن یعقوب الکلینی (متوفی ۳۲۹ھ)، الکافی، ج ۷، ص ۴۲۴، طبع الثالث ۱۳۶۷ھ، دارالکتب الاسلامیہ، ایران تم
- (۳) محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، ج ۵، ص ۳۰۱، الطبعة الثانية ۱۴۰۳ھ، دارالفکر البیروت لبنان) ابن بطریق الاسدی الحلی (۶۰۰ھ)، العمدة، ص ۲۸۵، طبع الاولى ۱۴۰۷ھ، مؤسسة النشر الاسلامی قم)
- (۴) محمد ابن محمد الحاکم النیشاپوری (۴۰۵ھ) مستدرک الحاکم، ج ۳، ص ۱۲۷، دارالمعرفة بیروت، ۱۴۰۶ھ)
- (۵) الشیخ المفید (۴۱۳ھ) الامالی، ص ۲۹۳، قم ایران۔ ابن عساکر (۵۷۱ھ) تاریخ مدينة دمشق، ج ۴، ص ۳۶۹، دارل فکر، ۱۴۱۵ھ)
- (۶) تاریخ مدينة دمشق، ص ۳۶۹)
- (۷) الشیخ الصدوق (۳۸۱ھ) من لا یحضره الفقیہ، ج ۴، ص ۳۶، طبع الثانية ۱۳۰۳ھ ایران۔)
- (۸) نهج البلاغه، خطبه ۱۰۷، ص ۵۸۵)
- (۹) ایضا مکتوب ۴۵، ص ۷۳۷ (ترجمہ جوادی، مکتوب ۴۵، ص ۵۵۸)
- (۱۰) ایضا مکتوب ۴۵، ص ۷۳۷ (ترجمہ جوادی، مکتوب ۴۵، ص ۵۵۸)
- (۱۱) (۵۳) نهج البلاغه (مترجم مفتی جعفر حسین)، خطبه ۲۲۱، ص ۲۲۴)
- (۱۲) سورة الحديد ۵۷ آية ۲۵)
- (۱۳) سورة الرحمان ۵۵ آية ۷)
- (۱۴) فیض کاشانی، تفسیرالصافی، ج ۵، ص ۱۰۷ ناشر مؤسس الاعلمی للمطبوعات بیروت لبنان، بدون سال و طبع)
- (۱۵) محمد ی رے شہری، میزان الحکمة، ج ۳، ص ۱۸۳۸، طبع الاولى، دارالحديث)
- (۱۶) غرر الحکم و دررالکلم، قول ۱۰۲۰۳، ص ۱۰۳، ناشر مکتبة الاعلام الاسلامی قم، سنة ۱۳۶۶ھ ش
- (۱۷) سورة الرحمان ۵۵ آية ۸)
- (۱۸) نهج البلاغه، قول ۴۳۶، ص ۹۴۴-۹۴۵)
- (۱۹) مرتضیٰ مطہری، سیری در نهج البلاغه، ص ۱۱۳،
- (۲۰) نهج البلاغه، قول ۲۳۱، ص ۸۷۸)
- (۲۱) شرح درر الحکم و غرر الکلم، ج ۲، ص ۵۰۸)
- (۲۲) (غرر ۱۷۰۲، ص ۴۴۶)

(٢٣) عبد الواحد آمدي، غرر الحكم و درر الكلم، ج اول قول ٩، ص ١١

(٢٤) (اصول كافي، ج ٧، ص ١٧٤)

(٢٥) عبد الواحد آمدي، غرر الحكم و درر الكلم، ج اول، قول نمبر ٣٠٩، ص ٢١

(٢٦) عبد الواحد آمدي، غرر الحكم و درر الكلم، ج اول، قول ٦٣٦، ص ٣٣

(٢٧) عبد الواحد آمدي، غرر الحكم و درر الكلم، ج اول، قول ٨٢٤، ص ٤٠

(٢٨) عبد الواحد آمدي، غرر الحكم و درر الكلم، ج اول، قول ٧٤٩

(غرر ٧٧٤٨، ص ٣٣٩)

(٣٠) (٧٧٥٤، ص ٣٤٠)

(٣١) ميرزا حسين ا لنورى الطبرسى، مستدرک الوسائل، ج ١١، ص ٣٣٩

(٣٢) ايضا

(٣٣) نهج البلاغه، خطبه ٨٥، ص ٢٥٩

(٣٤) محمد ي رى شهرى، ميزان الحكمة، ص ٨١

(٣٥) نهج البلاغه، قول ٣٠، ص ٨١٨

(٣٦) ايضا

(٣٨) سورة الجمعة آيه ٢

(٣٩) نهج البلاغه، خطبه ١٧٤، ص ٤٧٧

(٤٠) ايضا

(٤١) ايضا

(٤٢) ايضا

(٤٣) نهج البلاغه، قول نمبر ٢٢١، ص ٨٧٥

(٤٤) ايضا خطبه ٩٥، ص ٢٩٨

(٤٥) ايضا مكتوب ٤٨، ص ٧٤٩

(٤٦) ايضا مكتوب ٣١، ص ٧١٦

(٤٧) ايضا قول ٤٧٦، ص ٩٥٥

(٤٨) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٥٦

(٤٩) ايضا خطبه ١٣٤، ص ٣٨٣

(٥٠) ايضا مكتوب ٥١، ص ٧٥٢

(٥١) خطبه ١٦٥، ص ٤٥٦

(٥٢) ايضاً خطبه ٢٢١، ص ٢٢٤

(٥٣) مفتى جعفر حسين، مترجم نهج البلاغه، ص ٦٢٤

(٥٤) نهج البلاغه، خطبه ٢٢١، ص ٦٢٤

(٥٥) نهج البلاغه، خطبه ٢٢١، ص ٦٢٤

(٥٦) نهج لابللاغه خطبه ٢٢١، ص ٢٢٤-٢٢٥

(٥٧) نهج لابللاغه خطبه ٢٢١، ص ٢٢٤-٢٢٥

- (٥٨) نهج البلاغه خطبه ٢٢١، ص ٢٢٤-٢٢٥
- (٥٩) نهج البلاغه خطبه ٢٢١، ص ٢٢٤-٢٢٥
- (٦٠) (مناقب اهل البيت، المولى حيدر الشيروانى، ص ٢١٩)
- (٦١) مفتى جعفر حسين: سيرت امير المؤمنين، جلد اول، ص ٤٣٦
- (٦٢) ايضا
- (٦٣) ايضا
- (٦٤) ايضا
- (٦٥) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٦٢
- (٦٦) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٦٢
- (٦٧) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٦٢
- (٦٨) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٦٢
- (٦٩) ايضا مكتوب ٥١، ص ٧٥٢
- (٧٠) ايضا خطبه ٣، ص ١٠٣
- (٧١) مكتوب ٥٣، ص ٧٥٦
- (٧٢) ايضا خطبه ١٩٨
- (٧٣) ايضا خطبه ٩٤، ص ٢٩٦
- (٧٤) ايضا خطبه ١٣٨، ص ٣٨٦
- (٧٥) سوره يس آيه نمبر ٨
- (٧٦) خطبه ٨٥، ص ٢٥٩
- (٧٧) نهج البلاغه قول ١٦٠، ص ٨٦٢
- (٧٨) ايضا مكتوب ٥٣، ص ٧٧٦
- (٧٩) ايضا مكتوب ٥٩، ص ٧٨٤
- (٨٠) ايضا مكتوب ٥٩، ص ٧٨٤
- (٨١) ايضا مكتوب ٧٠، ص ٨٠١
- (٨٢) ايضا مكتوب ٧٠، ص ٨٠١
- (٨٣) ايضا ص ٨٠٢
- (٨٤) ايضا مكتوب نمبر ٥٣، ص ٧٧٢
- (٨٥) ايضا مكتوب نمبر ٥٣، ص ٧٧٢
- (٨٦) ايضا مكتوب نمبر ٥٣، ص ٧٧٢
- (٨٧) شرح ابن ابى الحديد، ج١، ص ٢٠٠
- (٨٨) نهج البلاغه، خطبه ٢٧، ص ١٦٦
- (٨٩) نهج البلاغه، خطبه ٢٧، ص ١٦٦
- (٩٠) ايضا خطبه ٢٩، ص ١٧٢
- (٩١) ايضا خطبه ١٢١، ص ٣٥٤-٣٥٣

المراجع و المصادر

(١) القرآن الكريم

(٢) امام على : نهج البلاغه (مترجم مفتى جعفر حسين)، اماميه پبليکيشنز لاهور

(٣) ابن بطريق الاسدي الحلي (٦٠٠هـ): "العمدة"، طبع الاولى ١٤٠٧هـ، مؤسسة النشر الاسلامي قم

(٤) ابن شهر آشوب (متوفى ٥٨٨هـ) : "مناقب آل ابي طالب"، مطبعة الحيدرية النجف الاشرف.

(٥) ابن عساكر (٥٧١هـ) : "تاريخ مدينة دمشق"، دارل فکر، ١٤١٥هـ)

(٦) الشيخ الصدوق (٣٨١هـ): "من لا يحضره الفقيه" الطبعة الثانية ١٣٠٣هـ ايران. (

(٧) الشيخ محمد يعقوب الكليني (متوفى ٣٢٩هـ)، طبع الثالث ١٣٦٧هـ، دارالكتب الاسلاميه، ايران قم

(٨) الشيخ المفيد (م ٤١٣هـ) الامالي، ص ٢٩٣، قم ايران.

(٩) عبد الواحد آمدي: "غرر الحكم و دررالکلم"، ناشر مكتبة الاعلام الاسلامي قم، سنة ١٣٦٦هـ ش

(١٠) فيض كاشاني: "تفسيرالصافي"، ناشر موسس الاعلامي للمطبوعات بيروت لبنان، بدون سال و طبع

(١١) محمد بن عيسى الترمذی : " سنن الترمذی"، الطبع الثاني ١٤٠٣هـ، دارالفكر بيروت لبنان)

(١٢) محمد بن محمد الحاكم النيسابوري (٤٠٥هـ) مستدرک الحاكم، ج٣، ص ١٢٧، دارالمعرفة بيروت، ١٤٠٦هـ)

(١٣) محمدی رے شهرى: " ميزان الحكمة"، طبع الاولى، دارالحديث)

(١٤) مرتضى مطهرى : "سيرى در نهج البلاغه"، طبع انتشارات صدرا ايران، طبع اول، سال ١٣٧١هـ ش)

(١٥) مفتى جعفر حسين : "سيرت امير المؤمنين"، ناشر اماميه كتب خانه مغل حويلی لاهور-)

(١٦) المولى حيدر الشيروانى : "مناقب اهل البيت"، طبع ١٤١٤هـ، المطبعة: المنشوراة الاسلامية)

(١٧) ميرزا حسين ا لنورى الطبرسى: " مستدرک الوسائل"، مؤسسہ آل بيت، قم، سنة ١٤٠٨هـ)

(١٨) النعمان بن محمد التميمي المغربي (متوفى ٣٦٣هـ): شرح الاخبار فى فضائل الائمة الاطهار، ج١، ص٩١، ناشر

مؤسسة النشر الاسلامي قم، ايران.